ریشم کی ڈوری

سلطان ابراہیم، 13 اکتوبر، 1617 میں قسطنطنیہ کے شاہی محل میں پیدا ہوا۔ وہ سلطان احمد کا آخری چشم و چراغ تھا۔ والدہ، قاسم سلطانہ، یونان کی شہری تھی۔ شاہی حرم میں بطور ملازمہ لائی گئی تھی۔ سلطانہ حد درجہ ذہین بلکہ عیار خاتون تھی۔ اس نے سلطنت عثمانیہ کے بگاڑ میں کلیدی کردار ادا کیا تھا۔ ابراہیم ایک ماہ کا تھا کہ والد فوت ہوگیا۔ اس کے بعد اس کا چچا مصطفیٰ بادشاہ بنا۔ اور پھر تخت، مراد چہارم کو موروثیت میں منتقل ہوگیا۔ ذہن میں رہنا چاہیے کہ سلطنت عثمانیہ میں انتقالِ اقتدار کا کوئی طریقہ نہیں تھا۔ بیٹوں کے درمیان، سازش، خون ریزی اور جنگ و جدل کا بازار گرم ہوتا اور جو کسی بھی وجہ سے محفوظ رہتا، سلطان بن جاتا۔ ویسے یہ المیہ آج تک مسلمان حکومتوں میں سر چڑھ کر بربادی برپا کر رہا ہے۔ 2025 میں بھی مسلم ریاستیں انتقالِ اقتدار کے کسی بھی شفاف مرحلے سے دور نظر آتی ہیں۔ جو معاملہ چار پانچ سو برس پہلے تھا، آج بھی تقریباً اسی طرح ہے۔ اپنے ملک کو دیکھ لیجیے۔ تخت پر قبضے کی جنگ ہر سطح پر جاری و ساری ہے۔

جمہوری چلن جس میں بردباری سنگ میل ہوتی ہے، اس کا شائبہ تک ہمارے ہاں پایا نہیں جاتا۔ بہر حال بات ترکوں کی ہو رہی تھی۔ قدرت کا کرشمہ دیکھیے کہ ابراہیم کے تین بھائیوں کو محلاتی سازشوں کے تحت سگے بھائی نے قتل کروا دیا۔ ابراہیم صرف اس لیے مرنے سے بچ گیا کہ وہ صلاحیت کے اعتبار سے کسی بھی عہدے کے لیے غیر موزوں تھا۔ بدنما نالائقی اس کے زندہ رہنے کا موجب بن گئی۔ ایک بات ذہن نشین رہے، ترک شاہی خاندان میں شہزادوں کو قتل کرنے کے لیے جلاد، ریشم کی ڈوری استعمال کرتے تھے۔ عام رسی سے ان کا گلہ نہیں گھونٹا جاتا تھا۔

سلطنت عثمانیہ کی بدقسمتی دیکھیے کہ 1640 میں ابراہیم تخت نشین ہوگیا۔ ابراہیم بادشاہ بننے سے قبل پچیس برس تک مسلسل قید میں رہا تھا۔ وہاں کھانا پینا تو حد درجہ شاہانہ تھا۔ شاہی قیدی کو کسی قسم کی تعلیم نہیں دی جاتی تھی۔ حالاتِ حاضرہ اور انتظامی امور کی پیچیدگیوں سے انھیں بہت دور رکھا جاتا تھا۔ علاوہ ازیں ان شہزادوں کو مسلسل موت کے خوف میں بھی مبتلا رکھا جاتا تھا۔ کسی قیدی کو علم نہیں ہوتا تھا کہ کب جلاد آ کر انھیں موت کی نیند سلا دے۔ اس ادنیٰ ماحول میں شہزادے، ذہنی طور پر حد درجہ قلاش بنا دیے جاتے تھے۔ ابراہیم کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا۔ حکومت کرنے کے اصولوں سے نا آشنا، یہ شخص جب قصر صدارت پر براجمان ہوا تو ترکوں کے زوال کو مہمیز لگ گئی۔ بادشاہ بنتے ہی سلطان ابراہیم نے فارغ العقل احکامات دینے شروع کر دیے۔ پہلا حکم تھا کہ لومڑیوں کی مہنگی ترین کھالوں سے محل کی دیواروں کو سجایا جائے۔ حکومتی اہلکار پوری دنیا کے ہر کونے سے لومڑیوں کے تاجروں سے رابطہ کرتے تھے۔ منہ مانگی قیمت پر کھالیں خرید کر محل میں ہر دیوار پر لگواتے تھے۔ جب شاہی خزانچی نے بتایا کہ ملکی خزانہ تیزی سے خالی ہوتا جا رہا ہے۔ اور کھالوں کے سوداگر، بادشاہ کی کمزوری سے بھرپور مالی فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ تو سلطان کا جواب تھا کہ اس نے زندگی میں اتنی تکلیف دیکھی ہے کہ اب یہ ریاست پر فرض ہے کہ اس کے مہنگے ترین شوق کی ہر قیمت پر پاسداری کرے۔ ہوتا یہ تھا کہ سلطان ابراہیم گھنٹوں خواب گاہ میں کھالوں سے باتیں کرتا رہتا تھا، ہنستا تھا، روتا تھا، درباریوں کو بتاتا تھا کہ لومڑیوں کی کھالیں اس کی ساری باتیں سنتی ہیں اور بھرپور طریقے سے جواب دیتی ہیں۔ وہ اتنا ظالم تھا کہ لوگ اپنی گردن بچانے کے لیے خاموش ہو جاتے تھے۔ چند خوشامدی ایسے بھی تھے جو سلطان کی ہر بات پر لبیک کہتے تھے اور اس میں اس کی والدہ سلطانہ قاسم بھی شامل تھی۔ دراصل اصل حکمران تو والدہ تھی اور وہ اپنے بیٹے کی حماقتوں سے خوب فائدہ اٹھاتی تھی۔ معاملہ یہاں پر ختم نہیں ہوتا، سلطان نے ایک بہت ہی غیر معقول فرمان جاری کر دیا۔ وہ یہ کہ پوری سلطنت میں بلیوں کا رنگ صرف اور صرف سنہرا ہوگا۔ اگر کسی شخص نے اپنی پالتو بلی کا قدرتی رنگ بحال رکھا تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔ حکم کی تعمیل میں تمام سلطنت میں لوگوں نے اپنی بلیوں کا رنگ سنہرا کر دیا۔ ہوتا یہ تھا کہ لوگ سنہرے رنگ کو پانی میں ملاتے تھے۔ کان پکڑ کر بلیوں کو پانی میں ڈبکیاں دلواتے تھے۔ نتیجہ یہ کہ کسی بھی رنگ کی بلی بھرپور طریقے سے سنہری ہو جاتی تھی۔ بلکہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ سونے کی بنی ہوئی ہے۔ سلطان ابراہیم جب قسطنطنیہ اور مضافات کا دورہ کرتا تھا تو سنہری بلیوں کو دیکھ کر قہقہے لگاتا تھا، خوش ہوتا تھا اور اس کے چمچے، اس کی فراست کے قصیدے پڑھتے تھے۔ مگر آہستہ آہستہ درباریوں کے ذہن میں یہ بات آ رہی تھی کہ ان کا حکمران ایک دیوانہ انسان ہے۔

اب ذرا سلطان کے پاگل پن کی انتہا دیکھیے۔ اسے فربہ اندام کنیزیں پسند تھیں۔ جس خاتون کا وزن، جتنا زیادہ ہوتا، وہ حرم میں اتنی ہی معتبر گردانی جاتی۔ جس طرح حکومتی عمال لومڑیوں کی کھالیں تلاش کرتے تھے، بالکل اسی طرح وزنی خواتین کو بھی حرم میں شامل کرتے رہتے تھے۔ حد تو یہ ہے کہ آرمینیا سے ایک ایسی عورت کو لایا گیا جو تین سو تیس پاؤنڈ کی تھی۔ اس کا چہرہ اور ٹھوڑی، چربی کی بدولت تہہ دار ہو چکا تھا۔ پیٹ کا یہ عالم تھا کہ کوئی کپڑا پورا نہیں آتا تھا۔ جسم کے بھاری ہونے کی بدولت اس کے لیے چلنا بھی کافی مشکل تھا۔ جیسے ہی ابراہیم کے سامنے لائی گئی، تو وہ اس پر عاشق ہوگیا۔ اسے ''شکر پارہ'' (چینی کی ڈلی) کا خطاب دیا اور حرم میں بلند مقام عطا کر دیا۔ اس خاتون کے لیے، سونے کی ایک کرسی بنائی گئی جس کے نیچے پہیے لگے ہوئے تھے۔ سارے محل میں اسے سواری پر سیر کروائی جاتی تھی۔ سلطان کا حکم تھا کہ جہاں شکر خاتون گزرے، اس پر سونے کے سکوں کی بارش کی جائے۔ وہ عورت، اس قدر لالچی تھی کہ نچھاور کیے گئے تمام سونے کے سکوں کو جمع کرتی تھی۔ اس طرح حد درجہ امیر ہو چکی تھی۔ ایک دن اس نے سلطان سے شکایت کی کہ اسے پتہ ہے کہ حرم کی ایک خاتون کا باہر کے کسی مرد سے تعلق ہے۔ ابراہیم کا ردعمل اتنا ظالمانہ تھا کہ آج تک اس پر تھو تھو کی جاتی ہے۔ حکم دیا کہ حرم کی تمام خواتین کو باسفورس میں غرق کر دیا جائے۔ شاہی فرمان کی تعمیل ہوئی۔ 280 خواتین، بوریوں میں بند کر کے، بڑے سفاکانہ طریقے سے سمندر برد کر دی گئیں۔ یہ رات کا آخری پہر تھا۔ ان محکوم خواتین کو یہ بھی نہیں پتہ تھا کہ ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ صرف ایک سویڈش کنیز بچ گئی جس کی بوری پھٹ گئی تھی۔ اس اندوہناک واقعہ سے دارالحکومت میں کہرام مچ گیا۔ وزیر اعظم اور شیخ الاسلام کو یقین ہوگیا کہ بادشاہ مکمل طور پر پاگل ہو چکا ہے۔ مگر مسئلہ یہ تھا کہ سلطنت عثمانیہ میں سلطان کو ہٹانے کا کوئی قانون موجود نہیں تھا۔ مگر ایک اور ایسا واقعہ ہوا جس نے اس کی بربادی پر مہر لگا دی۔ سلطان نے اپنے چار سالہ بچے کو قتل کرنے کی کوشش کی۔ اس المناک واقعہ کے بعد شیخ الاسلام نے فتویٰ دے ڈالا کہ سلطان ابراہیم واجب القتل ہے۔ 8 اگست 1648 کو، دو جلاد، بادشاہ کی خوابگاہ میں داخل ہوئے۔ حسب دستور ریشم کی ڈوری ان کے ہاتھ میں تھی۔ انھوں نے ابراہیم کا ڈوری سے گلا گھونٹا اور اس طرح ایک ناعاقبت اندیش بادشاہ اپنے انجام کو پہنچ گیا۔ مگر اس کے آٹھ سالہ احمقانہ دور نے، سلطنت عثمانیہ کی مکمل بربادی کی بنیاد استوار کر دی۔

آج جب میں دنیا میں مسلمان ملکوں کی فہرست دیکھتا ہوں، تو یہ 57 کے لگ بھگ ہیں۔ ان میں تقریباً 1.8 ارب مسلمان رہتے ہیں۔ 49 ممالک ایسے ہیں جن میں مسلمانوں کی واضح یا واجبی اکثریت ہے۔ ان تمام ریاستوں میں مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں۔ لوگوں کے رہنے سہنے کے طریقے بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ سماجی طور پر بھی ایک دوسرے سے میل نہیں کھاتے۔ مگر ایک عجیب سی بات تمام ریاستوں میں یکساں ہے۔ ان میں پرامن اور شفاف انتقالِ اقتدار کا کوئی طریقہ موجود نہیں ہے۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جو شخص بھی ملک کا حکمران ہے، اس نے جمہوریت اور آزادی اظہار کو گھر کی لونڈی بنا رکھا ہے۔ کسی ریاست کا نام نہیں لینا چاہتا مگر خوفناک سانحہ یہ ہے کہ جو ایک بار کسی جائز یا ناجائز طریقے سے تخت پر قابض ہوگیا وہ، اس کے بعد ہٹنے کے لیے تیار ہی نہیں ہوتا۔ تمام مسلمان ریاستوں کے حکمران، ایک خوف کی زندگی گزار رہے ہیں۔

جہاں انھیں دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کوئی انھیں قتل نہ کر دے۔ کوئی، ان کے تخت پر قبضہ نہ کر لے۔ اپنے اقتدار کو بچانے کے لیے یہ لوگ ہر حد تک چلے جاتے ہیں۔ انھیں کوئی فرق نہیں پڑتا کہ رعایا کتنی پریشان ہے۔ آسانیاں تقسیم کرنے کے بجائے، یہ صرف اپنے تخت کو محفوظ رکھتے ہیں۔ ہر ادنیٰ حربہ استعمال کرتے ہیں۔ ان کے دل میں ناانصافی کا سانپ پھن لہرائے کھڑا ہوتا ہے۔ اور یہ ڈرتے رہتے ہیں کہ کوئی ان کے ناجائز دور کو ختم نہ کر دے۔ مگر یہ بھول جاتے ہیں کہ ابراہیم اول کی طرح، ہر حکمران کے لیے، قدرت ایک ریشم کی ڈوری محفوظ رکھتی ہے جس سے کوئی بھی جلاد، انھیں گلا گھونٹ کر جہانِ فانی سے آگے روانہ کر سکتا ہے!